بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

خرم مراد

دعوتِ عام اور جہاد فی سبیل اللہ کی راہ جس طرح گہری لِلّٰہیت، سب سے کٹ کر صرف اللہ کا ہو رہنے، اور سب سے بڑھ کر اسی سے محبت کرنے کے بغیر طے نہیں ہو سکتی، اسی طرح مخلوقِ خدا سے محبت، ان کے حقوق کی رعایت، اور ان کے ساتھ اخلاقِ حسنہ کے بغیر بھی یہ منزل سر نہیں ہو سکتی۔ حبِ الٰہی کا لازمی نتیجہ حبِ خلقِ الٰہی ہے۔ جہاں ایمان کا بیج ہوگا، وہاں یہ دونوں شاخیں ضرور پھوٹیں گی۔ "جو ایمان لاتے ہیں وہ سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں" (البقرہ ۲:۱۶۵)، اور اللہ کی محبت ہی میں وہ اپنا مال اور اپنا سب کچھ اس کے بندوں کے لیے خرچ کرتے ہیں، لٹاتے ہیں، اور مٹاتے ہیں: وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ (البقرہ ۲:۱۷۷)"اور اسی کی محبت کی خاطر وہ مال دیتا ہے" وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ (الدھر ۷۶:۸)"اور اسی کی محبت کے مارے کھانا کھلاتا ہے"۔ نماز اور زکوٰۃ اسی لیے شجرِ ایمان کے دو توام تنے ہیں کہ ایک خالق کی محبت کا مظہر ہے تو دوسرا مخلوق کی محبت کا۔

نیکیاں اپنی حقیقت کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ رکھتی ہیں، نیکیوں کے بھی خاندان اور شجرے ہوتے ہیں۔ دیکھیے، جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے قیامِ لیل اور سحر کے وقت استغفار کی تاکید فرمائی، تو بالکل اس سے متصل "خرچ کرنے" کی ہدایت بھی دی۔ خرچ کرنا صرف مال کا نہیں، بلکہ اپنے وقت کا، محنتوں کا، جسم و جان کی قوتوں کا، حتیٰ کہ اپنے وجود کا ---- "جو کچھ بھی ہم نے رزق دیا ہے اس میں سے"۔ جب فرمایا کہ "ان کی پیٹھیں بستر سے الگ رہتی ہیں" ---- تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ "جو کچھ رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں" (السجدہ ۳۲:۱۶)۔ جب کہا کہ "راتوں کو کم ہی سوتے تھے، اور رات کے پچھلے پہروں

میں معافی مانگتے تھے " ---- تو فوراً "بعد یہ بھی کہا "ان کے مالوں میں حق تھا سائل اور محروم کا" (الذاریات ۵۱ : ۱۷۔۱۹) ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد مدینہ تشریف لائے تو اسلامی معاشرہ ' ریاست اور تہذیب کے روزِ اوّل جو کلماتِ ہدایت ارشاد فرمائے وہ یہ تھے کہ "سلام پھیلاؤ (صرف سلام کرنا نہیں ' بلکہ یہ کہ آپس میں جان و مال اور عزت کی سلامتی عام کر دو) اور کھانا کھلاؤ ' اور رات کو نماز پڑھو جب لوگ سوئے پڑے ہوں ' سیدھے جنت میں داخل ہو جاؤ گے "۔ (ترمذی عن عبداللہ بن سلامؓ)

رمضان کا مہینہ بھوک پیاس کی ریاضت ' قرآن کی تلاوت اور قیامِ لیل ہی کا مہینہ نہیں ' باہمی غم گساری کا مہینہ بھی ہے۔ نبی کریمؐ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے ' لیکن رمضان کے مہینہ میں آپ اتنی سخاوت فرماتے کہ گویا انتہائی تیز ہوا چل رہی ہو۔ (مشکوٰۃ عن عبداللہ بن عباسؓ)

ذرا ایک نظر ان ہدایات پر ڈالیے جو اللہ تعالٰی نزولِ وحی کے آغاز سے اپنے نبیؐ کو مسلسل دیتا رہا ' تو دعوت اور اخلاقِ حسنہ کا رشتہ آپ کے سامنے بالکل کھل جائے گا۔ بالکل شروع ہی میں کہا گیا کہ " اٹھو اور خبردار کرو اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو " ---- تو اس کے فوراً "بعد یہ بھی کہا گیا کہ " اور اپنے کپڑے پاک رکھو " (المدثر) ۔ پاک دامنی اور دامنِ دل کے وسیع معانی سے اردو داں بھی خوب آشنا ہیں ' اور اہلِ عرب بھی کپڑوں کی پاکی سے یہی سمجھتے تھے کہ دامن پاک رکھو ' یعنی اپنے اخلاق پاکیزہ رکھو ' بدمعاملگی اور بداخلاقی کا داغ نہ لگنے دو ' دامنِ دل بھی شرک و معصیت کی نجاست سے پاک رکھو۔ امر بالمعروف کا حکم دیا تو اس سے قبل کہا کہ " اے نبیؐ نرمی و درگزر کا طریقہ اختیار کرو " اور بعد میں " جاہلوں سے نہ الجھو " کی ہدایت دی (الاعراف)۔ اسی طرح امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے حکم کے ساتھ جہاں صبر و صلوٰۃ کی تعلیم دی ' وہاں اس کے بعد تفصیل سے یہ ہدایت بھی دی گئی کہ " لوگوں سے منہ پُھلا کر بات نہ کر ' نہ زمین پر اکڑ کر چل ' اللہ کسی اکڑنے والے اور بڑائیاں مارنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر ' اور اپنی آواز پست رکھ ' سب سے زیادہ مکروہ آواز گدھے کی آواز ہوتی ہے " (لقمان)۔ اسی بات کو یوں بھی کہا گیا کہ " رحمان کے (اصلی) بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں ' اور جاہل انکے منہ آئیں تو کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام۔ (یہ وہ ہیں) جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں " (الفرقان) ۔

میانہ روی اور نرمی صرف چال ڈھال کی مراد نہیں ' بلکہ چال چلن میں ' روش میں ' برتاؤ میں ' زندگی کے تمام معاملات میں ' دین کے سارے کاموں میں ' اور بالخصوص دعوت و جہاد کے

عظیم و پرخطر کام میں بھی نرمی اور میانہ روی مطلوب ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو فرعون جیسے ظالم و جابر اور مستبد حکمران کے پاس دعوتِ حق کے لیے بھیجا گیا' تو ہدایت کی گئی کہ " اس سے نرمی سے بات کرنا " ۔ کیوں ؟ شاید کہ وہ " نصیحت قبول کرے یا اس میں خشیت پیدا ہو " (طٰہٰ)۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ " اس سے دعاۃ و مبلغین کے لیے بہت بڑا دستورالعمل معلوم ہوتا ہے"۔ مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں کہ" طریقِ دعوت سے متعلق ہدایت ہے کہ دعوت بہرحال نرمی سے دی جائے . . . نرمی اور لینت دعوت کی فطرت ہے۔ حضرات انبیاؑ کی بعثت تعلیم و اصلاح کے لیے ہوئی' اس وجہ سے ان کی دعوت اور ان کے انذار میں ایک معلم کی شفقت اور ایک غم گسار کی دل سوزی ہمیشہ نمایاں رہی ہے۔ کسی نبی کے متعلق بھی یہ بات علم میں نہیں آئی کہ اس نے ہیکڑی جتائی اور دھونس جمائی ہو۔ سخت سے سخت حالات میں بھی ان کا طرزِ تخاطب نہایت ہی نرم ' موثر اور ہمدردانہ رہا ہے۔ ہیکڑی جتانا اور دھونس جمانا دنیا پرست لیڈروں کی خصوصیات میں سے ہے۔ موجودہ زمانہ کے شیطانی پروپیگنڈہ کی تو سمجھیے ساری بنیاد ہی اس پر ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے خود داعیٔ اعظمؐ کے اخلاق کے بارہ میں یوں گواہی دی ہے کہ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ(القلم ۶۸ : ۴)" بیشک تم اخلاق کے بڑے مرتبہ پر ہو"۔ اور یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ اگر ہزاروں انسان ـــــ ہر قسم کے انسان' خطاکار بھی اور نیک بھی' ضعیف بھی اور قوی بھی ' اعلیٰ بھی اور ادنیٰ بھی' مال دار بھی اور نادار بھی' مرد بھی اور عورت بھی' بوڑھے بھی اور جوان بھی ـــــ آپؐ کے پاس آئے' آپؐ سے چمٹ کر رہ گئے' آپؐ کی دعوت کو لے کر کھڑے ہوئے اور اس کے لیے سربکف ہو گئے ' تو اس کی وجہ صرف کتابِ الٰہی کا آنا اور آپؐ کی دعوت کا حق ہونا نہ تھا' بلکہ ان سے بڑھ کر آپؐ کا خلقِ عظیم تھا' اور اس خلق میں سب سے نمایاں' آپؐ کی نرمی اور لینت تھی۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ
(آل عمران ۳ : ۱۵۹)

یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ آپ ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہیں۔ ورنہ اگر کہیں آپ تندخو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد سے چھٹ جاتے۔

حضرت خدیجہؓ جو پچیس سال شب و روز آپؐ کی رفیقۂ حیات رہیں' آپؐ کی قبل نبوت کی زندگی کے بارہ میں' پہلی وحی کے نزول کے وقت یوں گواہی دیتی ہیں :

اللہ کی قسم! اللہ آپؐ کو ہرگز رسوا نہ کرے گا۔ آپؐ رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، بے کسوں کی خبرگیری کرتے ہیں، محروموں کے لیے کماتے ہیں، مہمانوں کی خاطر مدارات کرتے ہیں اور حق کے لیے مدد کرتے ہیں۔ (بخاری، مسلم عن عائشہؓ)

حضرت عائشہؓ، جو حضرت خدیجہؓ کے بعد آپؐ کی سب سے زیادہ محبوب بیوی تھیں، یوں گواہی دیتی ہیں:

حضورؐ کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی۔ آپؐ برائی کے بدلہ میں برائی نہیں کرتے تھے، بلکہ اسے معاف کر دیتے تھے۔ آپؐ گناہ کی بات سے کوسوں دور رہتے تھے۔ آپؐ نے کبھی کسی سے اپنا بدلہ نہیں لیا... آپؐ نے کبھی کسی غلام، لونڈی، عورت یا خادم، یہاں تک کہ جانور تک کو بھی اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ آپؐ نے کبھی کسی کی جائز درخواست اور فرمائش کو رد نہیں فرمایا۔ (سیّد سلیمان ندوی: خطبات مدراس)

حضرت علیؓ بچپن سے جوانی تک نبی کریمؐ کی خدمت میں رہے۔ وہ گواہی دیتے ہیں:

آپؐ ہنس مکھ، طبیعت کے نرم، اور اخلاق کے نیک تھے۔ طبیعت میں مہربانی تھی، سخت مزاج نہ تھے۔ کوئی برا کلمہ کبھی منہ سے نہیں نکالتے تھے۔ لوگوں کے عیب اور کمزوریوں کو نہیں ڈھونڈا کرتے تھے... آپؐ کسی کا دل توڑنا نہیں چاہتے تھے، دل شکنی نہیں کرتے تھے بلکہ دلوں پر مرہم رکھتے تھے، کہ آپؐ رؤف رحیم تھے۔ (ایضاً)

حضرت علیؓ نے یہ بھی فرمایا کہ

آپؐ نے اپنے نفس سے یہ تین باتیں بالکل خارج کر دی تھیں، (۱) بحث و مباحثہ، (۲) بے ضرورت بات کرنا، (۳) بے مطلب کسی کی بات میں پڑنا۔ دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے۔ (۱) کسی کو برا نہیں کہتے تھے، (۲) کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے، (۳) کسی کی ٹوہ میں نہیں لگتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

اخلاقِ حسنہ کا مقام آپؐ نے اپنی اس امت کے سامنے بڑے اہتمام سے اور بڑی کثرت سے واضح فرمایا جس کو امتِ وسط بن کر سارے انسانوں کے لیے شہادت علی الناس، دعوت الی الخیر، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور جہاد فی سبیل اللہ کے عظیم کام سرانجام دینے تھے۔ فرمایا

اَکْمَلُ الْمُؤمِنِیْنَ اِیمَاناً اَحْسَنُھُمْ خُلُقاً (ترمذی عن عائشہؓ)
ایمان لانے والوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ (مسلم عن النواس بن سمعانؓ)
نیکی بس حسنِ اخلاق ہے۔

اَحَبُّ عِبَادِ اللّٰہِ اِلَی اللّٰہِ اَحْسَنُھُمْ اَخْلَاقاً (طبرانی)
اللہ کے بندوں میں اللہ کا سب سے پیارا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔

اِنَّ مِنْ اَحَبِّکُمْ اِلَیَّ وَاَقْرَبِکُمْ مِنِّی مَجْلِساً یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَحْسَنَکُمْ اَخْلَاقاً (ترمذی عن جابرؓ)

تم میں میرے سب سے زیادہ پیارے اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ ہیں جو تم میں سب سے زیادہ خوش اخلاق ہیں۔

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ (موطا)
میں حسنِ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

اِنَّ الْمُؤمِنَ لَیُدْرِکُ بِحُسْنِ الْخُلُقِ دَرَجَۃَ الصَّائِمِ وَالْقَائِمِ (ابوداؤد عن عائشہؓ)
بیشک مومن حسنِ اخلاق سے وہ درجہ پا سکتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر نماز پڑھنے سے ملتا ہے۔

مَا مِنْ شَیْءٍ اَثْقَلُ فِی مِیْزَانِ الْمُؤمِنِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ (ترمذی عن ابودرداءؓ)
قیامت کے دن مومن کی ترازو میں حسنِ اخلاق سے بھاری اور کوئی چیز نہ ہو گی۔

حسنِ اخلاق کیا ہے؟ حسن بصریؒ کہتے ہیں: چہرہ کی بشاشت، فیاضی سے مال خرچ کرنا اور کسی کو ایذا پہنچانے سے اپنے کو روک لینا۔ واسطیؒ کہتے ہیں: آرام ہو یا تکلیف، ہر حال میں خلقِ خدا کو راضی کرنا۔ سہل تستریؒ کہتے ہیں: سب سے ادنیٰ درجہ ہے تحمل کرنا، بدلہ نہ لینا، ظلم کرنے والے پر رحم کرنا اور اس کے لیے استغفار کرنا اور اس پر شفقت کرنا۔ بعض لوگ کہتے ہیں: لوگوں کے قریب ہو کر رہنا اور جو معاملات ان کے درمیان ہیں ان سے اجنبی بننا۔
آپؐ جیسا کون ہو سکتا ہے کہ آپؐ صاحبِ خلقِ عظیم تھے۔ لیکن آپؐ جیسا بننے کی کوشش

میں لگے رہنے ہی سے دعوت و جہاد کی وہ راہ طے کرنا ممکن ہو سکتا ہے جو آپؐ کی راہ تھی۔ یہ بات دل پر نقش کر لینے ہی سے حسن اخلاق کی راہ آسان ہو سکتی ہے۔

اخلاقِ حسنہ میں سے کن اخلاق کو دعوت و جہاد کے لیے حاصل کرنے کی زیادہ ضرورت ہے' اور وہ کس طرح حاصل ہو سکتے ہیں' اس موضوع پر ہم انشاء اللہ آئندہ کسی شمارہ میں گفتگو کریں گے۔

افغانستان کے مجاہدین کے مختلف گروہوں کے درمیان صلح اس ماہِ رمضان کی برکتوں کا سب سے زیادہ قیمتی ثمرہ اور جاں فزا مژدہ ہے۔

عرصہ سے امتِ مسلمہ کے مطلع پر مصائب و آلام کے جو تاریک بادل چھائے ہوئے ہیں ان میں جہادِ افغانستان ایک روشن لکیر بن کر نمودار ہوا۔ ہمارے نہتے افغان مسلمان بھائیوں نے 'طَیْرًا اَبَابِیْلَ کی طرح' ایمان و جہاد کی راہ اختیار کر کے 'اَصْحَابِ الْفِیْلِ کی مانند روس کی سپرپاور کو ایسی شکستِ فاش دی کہ نہ صرف کیمونزم ماسکو میں سرنگوں ہو گیا' بلکہ روسی استعمار کَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ (کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح) بن کر پارہ پارہ ہو گیا۔ آج وہ خانہ جنگی کے دہانہ پر کھڑا عملِ مکافات کی اگلی گھڑی کا منتظر ہے۔ دنیا کے دوسرے استعمار بھی' جو آج کوس لِمَنِ الْمُلْکُ بجا رہے ہیں' انشاء اللہ جلد اپنے انجام سے دوچار ہوں گے۔ اگرچہ اس کے معنی یہ نہیں کہ امتِ مسلمہ کے سر سے مصائب و آلام اور ذلت و مسکنت کے بادل چھٹ جائیں گے' اور مشیتِ الٰہی اقوامِ عالم کی قیادت طشتری میں رکھ کے ان کے سامنے پیش کر دے گی۔ اس لیے کہ یہ سارا عمل تو لَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ (البقرہ ۲ : ۲۵۱) کے قانون کے تحت ہو رہا ہے' جب کہ امتِ مسلمہ کے لیے اقوامِ عالم کا منصب ایمان اور عملِ صالح' تقویٰ اور صبر' اور وفائے عہدِ الٰہی کے ساتھ مشروط ہے۔

بدقسمتی سے افغان مجاہدین کے گروہ' کامیابی کے بعد اور آخری روسی سپاہی کے افغانستان سے نکل جانے کے بعد' متحد ہو کر افغانستان میں میثاقِ الٰہی کی تکمیل کرنے کے بجائے باہمی تنازعات میں الجھ گئے' اور کچھ غیروں کی ریشہ دوانیوں اور اپنوں کی نیاز مندیوں اور بے تدبیریوں نے الجھا بھی دیا۔ وہی تنازعات جن کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح حکم دیا ہے کہ

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (الانفال ۸ : ۴۶)
آپس میں نہ جھگڑو' ورنہ (باہمی نا اتفاقی سے) تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی' (کیوں کہ قوتیں منتشر ہو جائیں گی' ایک کو دوسرے پر بھروسہ نہ ہوگا' اور اکیلا کوئی کیا کر سکتا ہے)' اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور (اگر کوئی بات ناگواری کی پیش آئے تو اس پر) صبر کرو' (یعنی اپنے جذبات و خواہشات کو قابو میں رکھو)' بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

افغانستان کی اس صورت حال پر ہر مسلمان غم و تشویش میں مبتلا تھا کہ مسلمانوں کا خون مسلمانوں کے ہاتھوں بہہ رہا تھا' اور جہاد کی کامیابی کے بعد کابل امن و اطمینان کا گہوارہ بننے کے بجائے تباہی و بربادی کے راستہ پر بڑھ رہا تھا۔

ان حالات میں یہ معاہدۂ صلح روشنی کی ایک کرن ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جماعتِ اسلامی کو بھی اس مرحلہ میں نمایاں خدمات انجام دینے کا موقع عطا فرمایا۔ افغانستان کے صدر اور جمعیتِ اسلامی کے سربراہ' جناب برہان الدین ربانی' اور حزبِ اسلامی کے امیر' جناب گلبدین حکمت یار' دونوں کی دعوت پر امیرِ جماعتِ اسلامی پاکستان' محترم قاضی حسین احمد صاحب' جماعت کے ایک سولہ رکنی وفد کے ساتھ کابل تشریف لے گئے۔ صبر اور انتھک محنت سے مجاہدین کے دونوں بڑے گروہوں' یعنی حزبِ اسلامی اور جمعیتِ اسلامی کے درمیان مفاہمت اور صلح و آشتی کی راہ ہموار کی۔ یہ سب باذن اللہ ہی ممکن ہوا' کہ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال ۸ : ۱۷) "یہ آپ نے نہیں پھینکا جب آپ نے پھینکا' بلکہ اللہ نے پھینکا"۔

کسی ایک جماعت کی کوششوں سے وجود میں آنے والا معاہدہ پائدار نہ ہوتا جب تک کہ اسے پاکستان' ایران اور سعودی عرب کی ضمانت حاصل نہ ہوتی۔ چنانچہ محترم امیرِ جماعت نے تمام گروہوں کو پاکستان کی طرف سے بات چیت کی دعوت قبول کرنے کا مشورہ دیا۔ جناب حکمت یار تو جلال آباد سے اس وقت تک آگے نہ بڑھے جب تک محترم امیرِ جماعت نے ان کو تاکید نہ کی۔ مذاکرات اسلام آباد کے دوران محترم امیرِ جماعت اور نائب امیرِ جماعت' پروفیسر خورشید احمد صاحب رات دن افغان مجاہد لیڈروں کے درمیان اختلافات کو کم کرنے اور معاہدہ کرا دینے کے لیے کوشاں رہے۔ اور بالآخر معاہدہ اسلام آباد پر دستخط ہو گئے۔ پھر مسجدِ نبوی اور خانہ کعبہ میں اس کی مزید توثیق ہوئی' اور سعودی عرب اور ایران نے اس کا ضامن بننا قبول کر لیا۔ وزیرِ اعظم پاکستان' جناب نواز شریف اور صدرِ پاکستان' جناب غلام اسحاق خاں بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ بالآخر اس

مسئلہ کے حل کے لیے وہ وہی راہ اختیار کرنے پر آمادہ ہو گئے جو محترم امیرِ جماعت نے معاہدۂ پشاور سے پہلے انکے سامنے رکھی تھی۔ فللّٰہِ الحمد علی ذالک۔

معاہدہ بہرحال صلح، امن، اور اسلامی افغانستان کی تعمیر کی راہ پر پہلا قدم ہے۔ آگے بہت سی رکاوٹیں اور پرخطر گھاٹیاں ہیں۔ دشمن ازلی گھات میں بیٹھا ہوا ہے، اور ہر طرف سے حملہ آور ہو گا --- ایک انتہائی دشوار مرحلہ کابینہ کی تشکیل کا ہے۔ یہ آسان کام نہیں کہ ہر گروہ کو مناسب نمائندگی مل جائے، اور اس کا مطالبہ نہ بھی پورا ہو تو شیطان وسوسہ ڈال کر اسے نقضِ عہد کی راہ پر نہ لے جا سکے۔ دوسرا مشکل مرحلہ ان غیر جہادی قوتوں کے ساتھ، جو قوت واثر کی مالک ہیں، ایسا سلوک کرنا ہے کہ وہ دشمنی سے باز بھی آ جائیں اور مقاصد جہاد کو سبوتاژ کرنے کے بجائے ممد و معاون بن جائیں۔ تیسرا مشکل مرحلہ تمام فوجی گروپوں کو، بمع ان کے اسلحہ اور سازوسامان کے، متحد کر کے ایک فوج کی تشکیل ہے۔ اور سب سے کٹھن اور صبر آزما کام افغانستانِ نو کی تعمیر ہے۔

اگر للّٰہیت میں کمی ہوئی، لاتنازعوا کی تعمیل نہ ہوئی، تو کسی بھی مشکل کے وقت فتنہ پیدا ہو سکتا ہے، اور معاہدہ کا کچا دھاگہ ٹوٹ سکتا ہے۔ یہ وقتِ دعا ہے۔ تمام اہلِ پاکستان کو دل و جان سے دعا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مجاہدین کے دلوں کو الفت کے رشتہ میں جوڑ دے اور جوڑے رکھے، کہ یہ الفت اسی کے فضل سے حاصل ہو سکتی ہے۔

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ط

(الانفال ۸ : ۶۳)

تم روئے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر ڈالتے تو ان لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے تھے، مگر وہ اللہ ہے جس نے ان لوگوں کے دل جوڑے۔